# توکّل

جناب خواجہ غفور احمد ریٹائرڈ ایڈیشنل سیکرٹری واپڈا

**توکّل کا معنیٰ** "توکل" خالص عربی زبان کا لفظ ہے، گو یہ فارسی اور اُردو میں بھی مستعمل ہے۔ اس سے مراد کسی پر بھروسہ یا تکیہ کرنا اور اپنا کام کسی کے سپرد کرنا ہے۔ اوّل الذکر معنی کے لحاظ سے انگریزی زبان میں ہم اسے لفظ "BANK" سے واضح کر سکتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں شخص کو اپنے مقدمے کی پیروی اور نگرانی کے لیے "وکیل" کر لیا ہے تو اس سے یہ مُراد ہوتی ہے کہ ہم نے اپنا معاملہ فلاں کے سپرد کر دیا ہے اور ہم اب اِس سلسلہ میں بے فکر ہو گئے ہیں۔ عربی زبان میں ـــ بالخصوص قرآن مجید کی زبان میں ـــ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظِ "وکیل" انہی معنوں میں آیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حُسنیٰ میں سے ایک ہے، یعنی ہمارا کارساز، ہمارا سہارا، ہمارے معاملات کی دیکھ بھال کرنے والا، ہمارے کام سنوارنے والا، وغیرہ۔ ایک لحاظ سے لفظ "تعوّذ" بھی "توکّل" کے معنیٰ دیتا ہے، کیونکہ جب انسان اپنے آپ کو کسی کی پناہ میں دیتا ہے تو یہ بات آپ سے آپ ظاہر ہو جاتی ہے کہ جس ہستی کی پناہ لی گئی ہے، وہ "کارساز" ہے، بھروسے کے قابل ہے، کام سنوارنے والی ہے، نگرانی کرنے والی ہے اور (LET DOWN) کرنے والی نہیں۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی پناہ لینے کے لیے حضورؐ اور دوسرے انبیاءؑ و رسلؑ کو تاکید کی گئی ہے۔

**توکّل کے مفہوم کی وسعت** جیسا کہ اُوپر اشارہ کیا گیا ہے "توکل" ایک کثیر المعانی اور جامع (COMPREHENSIVE) قسم کا لفظ ہے اور اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ طاغوتی طاقتوں سے ٹکر لینا، ان کی اطاعت قبول نہ کرنا بھی توکل (علی اللہ) ہی کے سہارے ممکن ہوتا ہے شیطان

کی چالوں اور اس کے ہتھکنڈوں کا صبر و ثبات سے مقابلہ کرنا اور یہ سمجھنا کہ وہ مردود ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔" توکل" ہی کے ذریعے سے ہو سکتا ہے۔ شیطان کو جب تا قیامِ قیامت مہلت دی گئی اور اس نے اللہ کے بندوں کو صراطِ مستقیم سے بھٹکانے اور ہٹانے کے اپنے عزم کا اعلان کیا تھا اُس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں (اللہ نے اُسے مخاطب کر کے) فرمایا۔

ترجمہ:۔ "یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اقتدار حاصل نہ ہو گا۔ اور توکّل کے لیے تیرا رب کافی ہے۔" (بنی اسرائیل ۔ ۶۵)

یعنی تو میرے بندوں کو زبردستی باطل راہ پہ نہیں لے جا سکے گا، بلکہ انہیں بہلانے پھسلانے اور غلط مشورے دینے اور موہوم اُمیدیں دلانے کے ہتھکنڈوں کو استعمال کرے گا۔

**توکّل کی حقیقت** توکل کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان یہ یقین رکھے کہ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اُسے روکنے ٹوکنے والا کوئی نہیں۔ وہ بڑا زور والا ہے، زمین و آسمان میں اصل حکومت اُسی کی ہے۔ وہی مُسبّبُ الاسباب ہے۔ وہی مقلّبُ القلوب والابصار ہے۔ وہ آگ کو گلزار بنا سکتا ہے، وہ دشمن کو پست ہمت بنا سکتا ہے۔ وہ چاہے تو دشمن کی تمام تدبیریں اور چالیں اُلٹی ہو جائیں۔ ہر جاندار کی چوٹی اُس کے ہاتھ میں ہے، وہ اگر دستگیری کرے تو جمیع جن و انس اکٹھے ہو کر بھی میرا پرِ کاہ کے برابر کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کاروبارِ دنیا ہی کے سلسلے میں نہیں، بلکہ حق پر قائم رہنے اور عین تبلیغ دین کے سلسلے میں طاغوتی طاقتیں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی مجھے کسی قسم کا گزند نہیں پہنچا سکتیں۔ دُنیا کی ہر شے فانی ہے، مگر خدا حیّ و قیوم ہے۔ بڑے سے بڑے دشمن کی رُوح جب چاہے قبض کر لے، اُسے مفلوج کر دے، اُس کو مجنون بنا دے، اُس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا کر دے، اُس کی غلط قسم کے احکام اور رعب دینے والی زبان کو گنگ کر دے۔ اسی توکّل علی اللہ کی بدولت ہی انبیاء و رسل اور صحابہ کرامؓ اپنے دور کی بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت سے بھڑ جاتے تھے۔ ابراہیم خلیل اللہ کو نمرود، موسیٰؑ کو فرعون اور محمدِ عربی کو قریش نیز رُوم کی شیطانی طاقتوں سے اور صحابہ کرامؓ کو قیصر و کسریٰ سے ٹکر لینے کے لیے یہی "توکّل کی بے پایاں قوت تیار کرتی تھی۔ درسِ توکّل یہ ہے کہ: ------- لَا مُتَصَرِّفَ فِی الْعَالَمِ اِلَّا اللّٰہ۔

**عملی ثمرات** توکّل سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ عزتِ نفس کی حفاظت کی خواہش بڑی مضبوط جڑیں بناتی ہے، غیر اللہ کا خوف دل سے نکل جاتا ہے۔ مسلمان میں شجاعت پرورش پاتی ہے۔ وہ اللہ کے عالم الغیب ہونے پر دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتا ہے۔ سخت سے سخت مصیبت سے دوچار ہوتے ہوئے بھی گھبراتا نہیں۔ اُس کی کشتی سمندر کی دیوقامت لہروں کے تھپیڑے کھاتی ہے، مگر وہ پریشان نہیں ہوتا۔ اُمید کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔ یاس و قنوطیت سے وہ کوسوں دُور رہتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اُس کا خدا اُس کی مُشکل کُشائی کے لیے کافی ہے۔ اُسے اور اُس کی ہر حرکت کو ہر لحظہ اور ہر آن دیکھ رہا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ پر یوں کامل توکّل کیا جائے تو خدا تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کو پہنچتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے معاملے پر غور کریں۔ بچپن میں کنویں میں ڈالے گئے۔ غلام کے طور پر مصر میں بکے، عنفوانِ شباب میں (تقریباً ۱۷ برس کی عمر میں)، ایک سنگین اخلاقی جُرم کے الزام میں دھر لیے گئے اور کئی برس کے لیے جیل میں ڈالے گئے۔ مگر انھوں نے توکّل علی اللہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ رہا ہوئے سُرخرو ہوئے اور سرزمینِ مصر میں انھیں تمکنت ملی۔ حضرت موسیٰؑ جان بچا کر نکلے، کیونکہ اُن سے نادانستہ ایک قبطی قتل ہوگیا تھا۔ اللہ کے بھروسے چل نکلے۔ ٹھکانہ ملا، حضرت شعیب جیسا مشفق "آقا" ملا۔ شادی ہوئی اور نبوت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ہر طرح کے مصائب جھیلے، گھر سے بے گھر ہوئے، ملک سے نکالے گئے۔ ایک بے آب و گیاہ وادی میں پہنچے، اکیلے بیٹے کو اپنی ضعیف العمری میں اللہ کے اشارے پر ذبح کرنے کو تیار ہوئے۔ یہ سب کس "زور" پر تھا؟ یہی توکّل علی اللہ، پختہ ایمان کہ میرا مالک مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

**توکّل اور اسبابِ دُنیا** اللہ کی ذات پر توکّل کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جائے اور دوسروں کا دستِ نگر بن جائے۔ توکّل یہ نہیں کہ انسان جنگلوں کی راہ لے اور کہے کہ میرے مقدر میں جو ہوگا، مل جائے گا۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْاِسْلَامِ (اسلام میں رہبانیت نہیں ہے)۔ اِس دُنیا میں رہتے ہوئے حتی الامکان اپنے آپ کو کانٹوں سے بچانا ہوگا، محنت کر کے روٹی کمانا پڑے گی۔ ایک سمجھدار کسان کی طرح زمین کو ہموار اور صاف کرنا ہوگا۔ ہل چلانا ہوگا، بیج بونا ہوگا۔ پانی میسر ہو تو دینا ہوگا، کھیت کی نگہداشت کرنی ہوگی۔ پھر اللہ پر "توکّل" کرتے ہوئے اچھی فصل کی اُمید رکھنا برحق ہوگا۔ مولانا رومؒ کے مقولے: "بر توکّل زانوے اُشتر بہ بند" پر عمل کرنا ہوگا۔

یہ "توکل" نادانوں کا توکل ہے کہ اعضاء و جوارح کو حرکت دیئے بغیر رزق کی آرزو کی جائے۔ بے عملی کو اپنا شعار بنا لیا جائے۔ یا پھر یہ توکل اُن "پہنچے ہوئے" حضرات کا ہے جو اسلام کی رُوح سے نابلد ہیں۔ اور اپنے ارادت مندوں کو بھی بے عملی کی تعلیم دیتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

خبر نہیں کیا ہے نام اس کا، خدا فریبی کہ خود فریبی
عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

یہ دُنیا عالمِ اسباب ہے۔ یہاں کا نظام ہی ایسا وضع کیا گیا ہے کہ ایک کو دوسرے کی احتیاج ہے ورنہ "میں بھی رانی تو بھی رانی۔ کون بھرے گا پانی" والا معاملہ ہو جائے گا۔ تدابیر کرنا اور اسباب سے کام لینا توکل کے خلاف نہیں۔ نوحؑ سے کشتی بنانے کو کہا گیا۔ حالانکہ خدا تعالیٰ آنجناب اور ان کے ایماندار رفقاء کو بغیر کشتی کے بھی نجات دے سکتا تھا۔ خود ہمارے نبی اکرمؐ نے ہجرت کی۔ شدید ترین مصائب جھیلے، خندق کھودی۔ مسجد کی تعمیر کے لیے مزدوروں کی طرح کام کیا۔ جہاد کے لیے روپیہ اکٹھا کیا۔ گھوڑے اور اونٹ اور تلواریں اور نیزے سبھی کچھ استعمال کیا۔ خندق کھودی، زخم سہے، دُکھ اُٹھائے۔ "معجزات" کو اللہ پر چھوڑا کہ جب چاہے رُونما کر دے۔

نبی اکرمؐ کو قرآن مجید کی آیات کے ذریعے بار بار زندگی بھر توکل کی تلقین کی گئی تاکہ اللہ پر ایمان پختہ ہو اور کبھی بھی "حسبی ربی" "اللہ بس ہے" کی کیفیت طاری نہ ہو۔ آغازِ نبوت ہی میں جو بنیادی تعلیم نبیؐ کو دی گئی۔ اُس میں "توکل" اور "صبر" سرفہرست تھے۔ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ سورۂ مزمل میں فرمایا:

(ترجمہ) "سب سے کٹ کر اللہ کا ہو کر رہ"۔

"مشرق و مغرب کے پروردگار کے علاوہ کوئی معبودِ حقیقی نہیں۔ سو تم اسی کو اپنا وکیل بنا" یعنی اُسی پر توکل کر۔

کئی اور مقامات پر وقتاً فوقتاً توکل کی تاکید کی گئی ہے، مثلاً:

(ترجمہ) "اور خدا پر بھروسہ "توکل" رکھو، جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں"

(الفرقان - ۵۸)

" اور اُس زبردست اور رحیم پر توکل کرو جو تمہیں اُس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے،

جب تم اٹھتے ہو اور سجدہ گزاروں میں تمہاری نقل و حرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔"
(الشعرا - ۲۱۹)

ایک اور مقام پر فرمایا:

(ترجمہ) "اور ان سے اہم معاملات (امور) میں مشورہ کرو، پھر جب تم عزم کر لو تو اللہ پر توکّل کرو۔ اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔" (آل عمران - ۱۵۹)

مومنوں کی منجملہ صفات کے بارے میں بار بار فرمایا: "وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ" اور وہ اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں) (العنکبوت، ۵۹)

مقصد یہ ہے کہ اسباب پر نہیں بلکہ "مسبب الاسباب" پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ اسباب تمام کے تمام فانی۔ بڑے سے بڑا انسان، خواہ وہ کتنا بڑا "آمر" ہو فانی۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں صدرِ مملکت کا یا فلاں وزیر کا چہیتا ہوں، تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو" تو عجب نہیں کہ اس فقرے کے مکمل ہونے پر اُسے معلوم ہو کہ وہ تو چل بسے! اسی لیے اُس حیّ قیّوم پر توکل کرنے کے لیے اتنا زور دیا جا رہا ہے، کیونکہ وہ اپنے زور پر زندہ ہے اور ہمیشہ قائم رہے گا۔ لہٰذا، وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ کا قرآنی حکم ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے ہٹ دھرم قسم کے انسان کے علاوہ کوئی انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ بمصداق آیت قرآنی۔

"بے شک اللہ توکّل کرنے والے کو محبوب رکھتا ہے" (آل عمران - ۱۵۹)

توکل کرنے سے خدا کی محبوبیت کا عظیم ترین اعزاز عطا ہوتا ہے۔

کتبِ سیر میں یہ بظاہر معمولی مگر فی الحقیقت ایک بڑا اہم واقعہ مرقوم ہے کہ حضور نبی اکرم ایک مرتبہ اپنے رفقاء کے ہمراہ کسی خمیدہ اور بوسیدہ دیوار کے نیچے سے گزرنے لگے تو جلدی سے گزر گئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے ایسا کس لیے کیا، تو جواب میں جو فرمایا اُس کا مفہوم کچھ یوں تھا۔ یہ احتیاط ہے اور یہ توکّل علی اللہ کے خلاف نہیں۔

**توکل کے اخلاقی فوائد** | توکل علی اللہ سے جو اخلاقی فوائد حاصل ہوتے ہیں اُن میں سے کچھ یہ ہیں۔

۱۔ اللہ پر توکّل کرنے سے عزم میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور انسان مصائب و آلام کا مقابلہ ایک چٹان کے مانند کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

۲- متوکل شخص میں خوف و ہراس اور بے اطمینانی کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔
۳- توکل کے باعث انسان اپنی شجاعت اور مردانگی کے جوہر دکھانے کے قابل ہو جاتا ہے۔
۴- اس سے استغناء پیدا ہوتا ہے جو انسان کو غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔
۵- شیطانی وساوس کے مقابلے میں توکل ایک مضبوط ڈھال کا کام دیتا ہے۔

**توکل اور "رزق"** انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ (خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا - القرآن)

سو وہ جس معاملے میں بہت متفکر اور پریشان ہوتا ہے۔ وہ "رزق" کا معاملہ ہے۔ "رزق" بہرحال انسان کی ایک ایسی بنیادی ضرورت ہے کہ اگر اس کے حصول میں دشواری ہو یا قحط سالی سے سابقہ پیش آجائے تو بقولِ شیخ سعدیؒ:

ع کہ یاراں فراموش کردند عشق!

والی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید (الفاتحہ) میں اپنے "رحمٰن" و "رحیم" ہونے کی صفات کے فوراً بعد اپنے "ربّ العٰلمین" ہونے کا اعلان کیا ہے۔ یعنی وہ خدا "تمام جہانوں" کا پالنہار اور پروردگار ہے۔ وہ بری، بحری، فضائی ہر طرح کی مخلوق کو رزق پہنچاتا ہے۔ چرند، پرند، جنگلی جانور، حشرات الارض، غرض ہر ایک کو رزق پہنچا رہا ہے۔ وہ پتھر میں کیڑے کو پالتا ہے، بطنِ مادر میں ماں کے خون کے ذریعے انسان کی پرورش کرتا ہے۔ بچہ ابھی اس دنیا میں آنے والا ہوتا ہے کہ ماں کی چھاتی میں دودھ پیدا کر دیتا ہے۔ ہوا میں اُڑنے والے پرندے خالی پیٹ صبح کو نکلتے ہیں۔ اُن کی پشتوں پہ رزق نہیں لدا ہوتا۔ مگر دن بھر دانہ چگتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر اپنے آشیانوں کی طرف لوٹتے ہیں۔ جب رزق رسانی کا ایسا حیرت ناک اور مکمل انتظام اس پروردگار نے کر رکھا ہے تو پھر انسان اس "رزق" کے گھٹنے یا نایاب ہونے کی فکر کیوں کرے اور اس ڈر سے اپنے ضمیر اور اخلاق کے خلاف کام کیوں کرے۔

یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سی دعائیں سکھائی ہیں اور انبیاء کرام کی بہت سی دعائیں نقل کی ہیں، مگر ہمیں ماسوا ایک یا دو مقام کے کہیں بھی یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ اللہ سے "رزق" کا سوال کرو۔ "فضل" کا سوال کرنے کی تلقین ضرور موجود ہے۔ سورۂ المائدہ میں عیسیٰؑ کی ایک دعا نقل کی گئی ہے، جو بنی اسرائیل کے چند لوگوں کے کہنے پر انہوں نے کی تھی ۔۔ اے ہمارے ربّ

ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما، تاکہ وہ ہمارے لیے خوشی (عید) کا باعث ہو — اور ہمیں "رزق" عطا فرما، اور تو "خیر الرازقین" ہے۔ دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم سے تلقین کے رنگ میں یہ الفاظ منقول ہیں۔ "وَابْتَغُوا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ۔ (اور اللہ کے ہاں رزق تلاش کرو)۔

مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے رزق کے سلسلے میں ایک حقیقت کو بیان فرمایا ہے اور دو مقامات پر تو ایک جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

ترجمہ: "بے شک اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے"۔

دوسری جگہ ہے:

"بے شک تیرا رب جس کو چاہے فراخی سے رزق دیتا ہے اور جسے چاہے نپا تلا دے ...... الخ (بنی اسرائیل آیت ۳۰)

جب کسی عورت کو طلاق ہو جائے تو اسے سب سے زیادہ یہی فکر لاحق ہوتی ہے کہ "رزق" کا اب کیا بنے گا۔ اس صورتِ حال کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ترجمہ: "جو اللہ پر بھروسہ (توکل) کرے، اس کے لیے وہ (اللہ) کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے"۔ (سورہ طلاق آیت ۳)

اس سے پہلی آیت کے جو الفاظ ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے:

"اور جو اللہ سے ڈرتے ہوئے کام کرے گا (یعنی تقویٰ اختیار کرے گا) اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا کوئی راستہ پیدا کر دے گا۔ اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو......"

بخدا مجھے زندگی میں بارہا اس کا خوشگوار تجربہ ہوا ہے۔ مجھے جب بھی "مالی ضرورت" درپیش ہوتی ہیں تو اللہ پر توکل کیا، اس سے دعا کی اور اس نے میری ضرورت سے زیادہ مجھے دیا — اور ایسی ایسی جگہوں سے دیا جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ چنانچہ یہ میرا معمول ہے کہ میں ہر نماز کے بعد یہ آیت

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ...... قَدْرًا (الطلاق ۲-۳)

بالالتزام سمجھ کر پڑھتا ہوں اور مجھ پر رزق کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

**ایک اہم حدیث** رزق سے متعلق قرآن مجید کی چند اہم آیات کا ذکر اوپر ہو چکا جن سے واضح ہو گیا کہ "رزق" کے معاملے میں پریشان ہونا بڑی نادانی کی بات ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم آیتِ قرآنی جو اس معاملے کے بارے میں حرفِ آخر اور "مہر" کی حیثیت رکھتی ہے، وہ پارہ ۱۲ کی پہلی آیت ہے۔

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ۔ (هُود۔ آیۃ ۶)

ترجمہ: زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو اور جس کے متعلق وہ نہ جانتا ہو کہ وہ کہاں رہتا ہے اور وہ کہاں سونپا جاتا ہے۔ سب کچھ ایک صاف دفتر میں درج ہے۔"

جب ہمارے "رزق" کا اللہ نے ذمہ لے رکھا ہے تو ہم کیوں نہ اُس پہ توکل کریں۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں۔ نہیں نہیں رزقِ حلال تلاش کرنے کے لیے محنت کرنا ہوگی کیونکہ یہ شریعت کا تقاضا ہے۔ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ ترجمہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ جس کے لیے وہ کوشش کرے (النجم۔ ۳۹)

یہ سعی حلال رزق حاصل کرنے کے لیے بھی اُسی طرح ضروری ہے جیسے "درجات" کی بلندی کے لیے پیہم کوشش کرتے رہنا نیک اعمال کے ذریعے!

سُورۂ ہُود کی متذکرہ بالا آیت ۶ کو بار بار پڑھیے اور اسے حرزِ جاں بنا لیجیے۔ "رزق" کے معاملے میں بے فکر ہو جائیے۔ پوری دیانت داری سے محنت کیجیے اور رزقِ حلال تلاش کیجیے۔ آپ کا توکل آپ کے کام آئے گا۔ یہاں بھی اور اگلی دُنیا میں بھی!

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی ید اللہ عزوجل اوثق منہ بما فی یدیہ، ومن احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزوجل۔ (ابن ابی حاتم)

ترجمہ: جو شخص چاہتا ہو کہ سب انسانوں سے زیادہ طاقتور ہو جائے اُسے چاہیے کہ

اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہو کہ سب سے بڑھ کر غنی ہو جائے ، اُسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اُس پر زیادہ بھروسہ رکھے بہ نسبت اُس چیز کے جو اُس کے ہاتھ میں ہے اور جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ عزت والا ہو جائے ، اُسے چاہیے کہ اللہ عزّ وجلّ سے ڈرے ۔"

**خاتمۂ کلام** جو کچھ اُوپر لکھا گیا ہے اُسے بغور پڑھنے اور سمجھنے سے لازم آتا ہے کہ ہم مسلمان ہونے کی حیثیت سے پوری لگن ، محنت اور دیانت داری سے رزقِ حلال کمانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں (FACULTIES) سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ پر اپنی جملہ ضروریات کے لیے توکل کریں۔ انشاء اللہ وہ کارسازِ حقیقی اور مالکِ کُل ہماری دستگیری و رہنمائی فرمائے گا۔ اور ہمارے حصے کا رزق ہمیں عطا فرمائے گا۔

لسانُ العصر اکبر الٰہ آبادی نے اپنے ظریفانہ کلام اور منفرد اُسلوب میں بڑی بڑی حقیقتوں کی نقاب کشائی کی ہے ، مگر اُن کا درج ذیل قطعہ جو نہ صرف غیر معمولی طور پر سنجیدہ (SOBER) ہے ، بلکہ قرآنی احکام کی ترجمانی کرتا ہے ، تبرکاً ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے ۔

رزقِ مَا یَحْتَاجُ مِل ہی جائے گا
خواہشوں میں مختصر ہو جائیے
فقر سے شیطان ڈراتا ہے اگر
حَسْبُنَا اللہ سے نڈر ہو جائیے